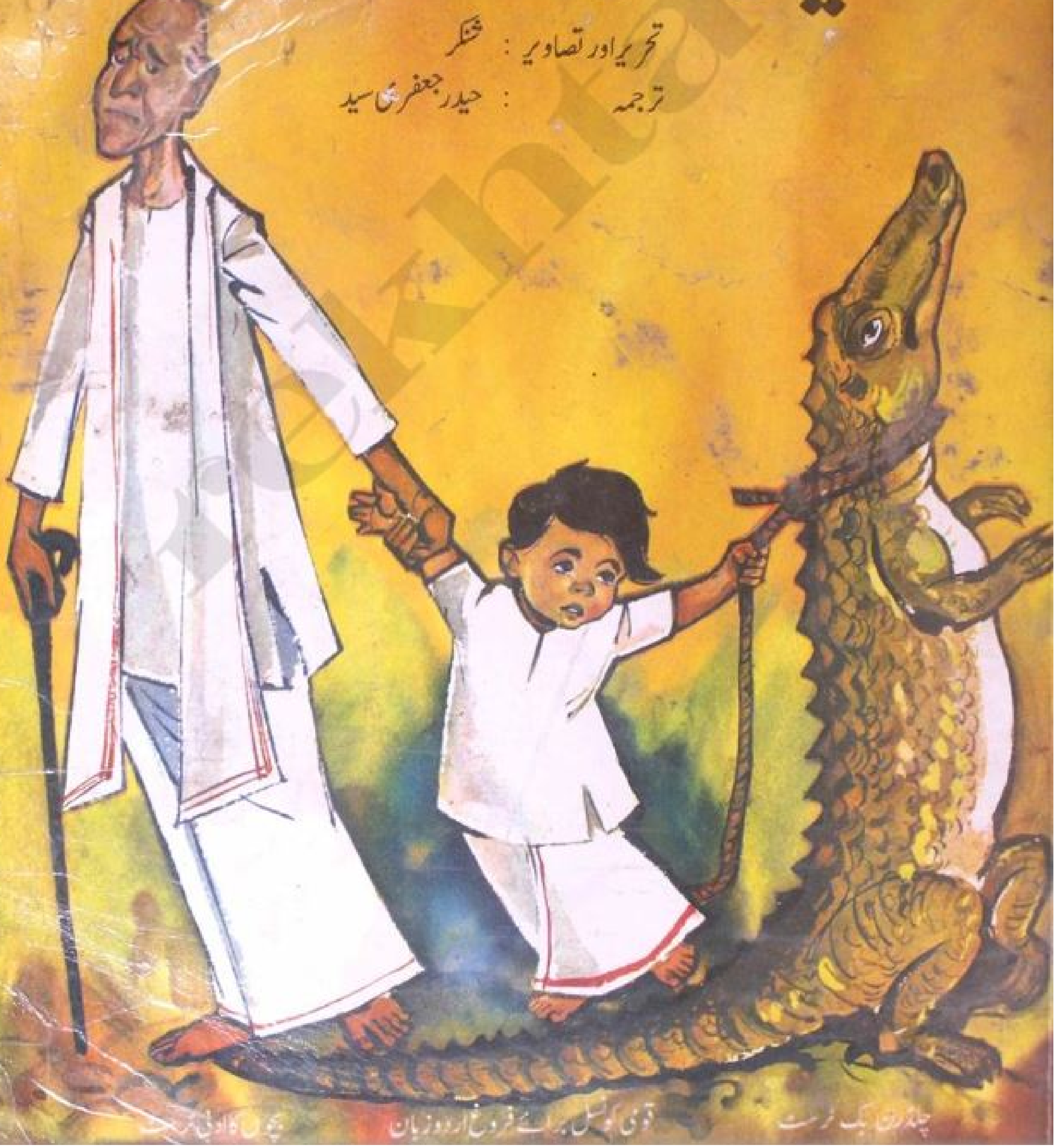
ننھیال میں گزرے دن

تحریر اور تصاویر : شنکر

ترجمہ : حیدر جعفری سید



چلڈرن بک ٹرسٹ
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
بچوں کا ادبی ٹرسٹ



ننھیال میں گزرے دن

راجہ میرا پیار کا نام تھا، اصلی نام نہیں۔ لیکن مجھے اپنا یہ ہی نام اچھا لگتا تھا۔ جب میں بہت چھوٹا تھا تب ہی میری والدہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اور میرے والد مجھے میرے نانا، نانی کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ جنھوں نے بہت پیار سے میری پرورش کی۔

ہم ایک بڑے گھر میں رہتے تھے لیکن ہمارا خاندان چھوٹا سا تھا۔ نانا، نانی، ماموں اور میں۔ ہمارے اور بہت سے رشتے دار بھی تھے لیکن وہ سب ہی الگ الگ رہتے تھے۔

میرے نانا خوب لمبے تگڑے انسان تھے وہ ہمیشہ بلند آواز میں بولتے تھے۔ وہ گاؤں میں ہر ایک سے واقف تھے۔ سب لوگ ان کی عزّت کرتے تھے اور ان کے پاس صلاح مشورے کے لیے آتے تھے۔

نانی بہت شفیق اور نرم دل تھیں۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ ہر وقت سائے کی طرح ساتھ لگی رہتیں۔ کبھی کہتیں "بیٹا، یہ دودھ پی لو" کبھی "ارے بھئی کھانا تو کھالو" یا "اب نہانے کا وقت ہوگیا ہے" یا "اچھا اب سو جاؤ" مجھے یہ اچھا نہیں لگتا تھا لیکن پھر بھی میں ان سے بہت محبت کرتا تھا۔

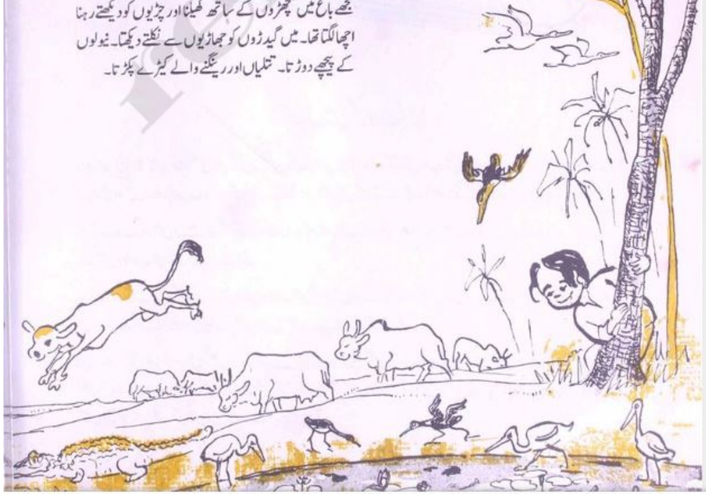
باغ میں چڑیاں چہچہاتیں، تتلیاں اُڑتیں۔ شہد کی مکھیاں بھی تھیں۔ بہت سے تالاب تھے جن میں طرح طرح کی مچھلیاں بھی تھیں۔ بگلے، چڑیاں، سارس اور دوسری آبی چڑیاں تالاب میں مچھلیاں پکڑنے آیا کرتیں۔

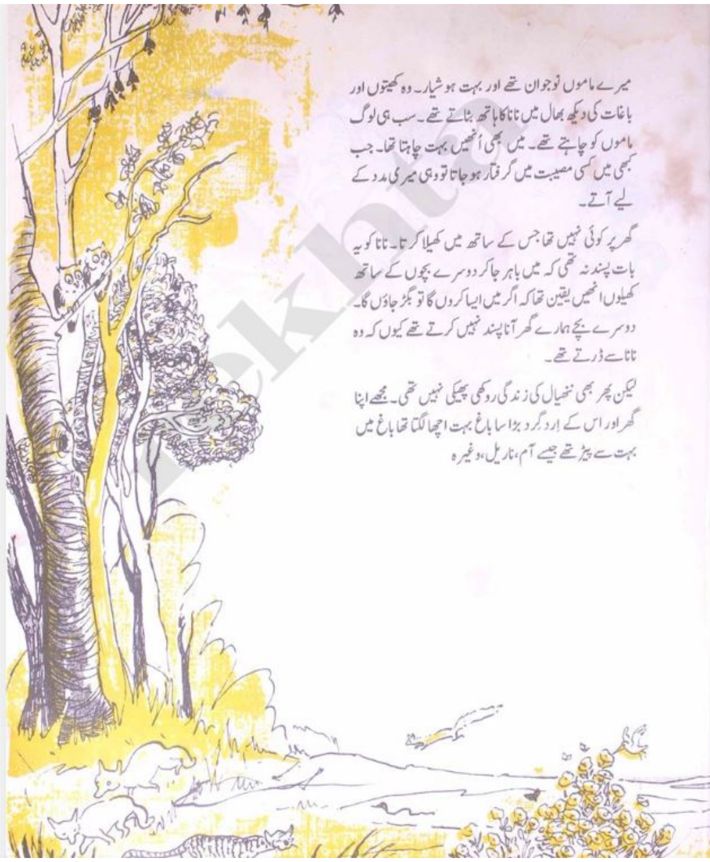
احاطے کی ایک جانب ایک چھوٹا سا جنگل تھا جہاں خودرو پیڑ، جھاڑیاں، بیلیں اُگا کرتیں۔ چھوٹے سے جنگل میں گیدڑ، نیولے، جنگلی بلیاں اور اُلّو وغیرہ بھی رہتے تھے۔

ہمارے یہاں بہت سی گائیں، بیل اور سانڈ بھی تھے۔ بچھڑے دن بھر باغ میں قلانچیں مارتے پھرتے تھے۔

مجھے باغ میں بچھڑوں کے ساتھ کھیلنا اور چڑیوں کو دیکھتے رہنا اچھا لگتا تھا۔ میں گیدڑوں کو جھاڑیوں سے نکلتے دیکھتا۔ نیولوں کے پیچھے دوڑتا۔ تتلیاں اور رینگنے والے کیڑے پکڑتا۔







میرے ماموں نوجوان تھے اور بہت ہوشیار۔ وہ کھیتوں اور باغات کی دیکھ بھال میں نانا کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ سب ہی لوگ ماموں کو چاہتے تھے۔ میں بھی اُنھیں بہت چاہتا تھا۔ جب کبھی میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا تو وہی میری مدد کے لیے آتے۔

گھر پر کوئی نہیں تھا جس کے ساتھ میں کھیلا کرتا۔ نانا کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں باہر جاکر دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلوں انھیں یقین تھا کہ اگر میں ایسا کروں گا تو بگڑ جاؤں گا۔ دوسرے بچے ہمارے گھر آنا پسند نہیں کرتے تھے کیوں کہ وہ نانا سے ڈرتے تھے۔

لیکن پھر بھی ننھیال کی زندگی روکھی پھیکی نہیں تھی۔ مجھے اپنا گھر اور اس کے اِرد گرد بڑا سا باغ بہت اچھا لگتا تھا باغ میں بہت سے پیڑ تھے جیسے آم، ناریل، وغیرہ



جب مجھے سانپ نے کاٹا

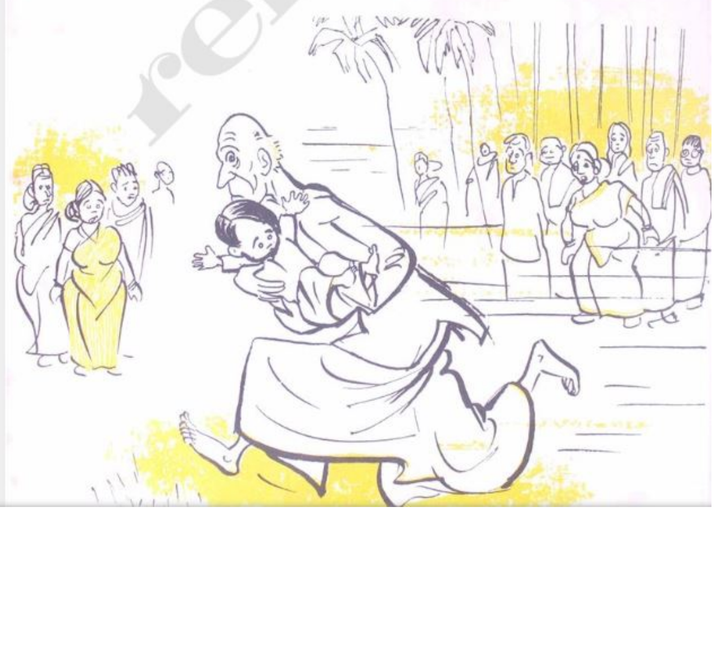
ایک دن میں نے احاطے میں ایک چھوٹے سے سانپ کو رینگتے دیکھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو جلدی سے بھاگ کر ایک ناریل کے خول میں چھپ گیا۔ میں نے چپکے سے قریب جاکر پتھر کے ایک ٹکڑے سے خول کا منہ بند کر دیا پھر میں خول لے کر بھاگتا ہوا نانی کے پاس پہنچا میں نے کہا ''نانی، نانی، دیکھیے میں نے سانپ پکڑا ہے''۔ ''سانپ''؟۔ نانی نے ہول کر پوچھا۔ وہ سہم گئی تھیں فوراً مدد کے لیے چلّانے لگیں۔ نانا دوڑتے ہوئے آئے جب اُنھیں معلوم ہوا کہ ناریل کے خول میں ایک سانپ ہے۔ تو اُنھوں نے میرے ہاتھ سے خول چھین کر دور پھینک دیا۔ سانپ رینگ کر جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

نانا نے مجھے سمجھایا "خبردار، پھر کبھی سانپ کے پاس مت جانا کیوں کہ سانپ بہت خطرناک ہوتے ہیں"

اُسی دن شام کو میں نے ایک بھڑ کو پکڑنے کی کوشش کی تو اُس نے انگلی میں ڈنک مار دیا بہت زور کا درد اُٹھا۔ میں دوڑ کر نانی کے پاس پہنچا اور اُنھیں بتایا کہ کسی نے مجھے کاٹ لیا ہے۔ وہ جلدی سے اس کا علاج کریں۔ نانی سمجھیں کہ مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے اُنھوں نے فوراً نانا کو آواز دی کہ وہ جلدی سے مجھے دیکھیں۔

نانا فوراً آگئے۔ اُنھوں نے میری انگلی دیکھی جس پر نیلا نشان تھا۔ وہ جھٹ مجھے گود میں اٹھا کر باہر بھاگے۔ وہ باغ اور دھان کے کھیت پار کرتے ہوئے بھاگتے رہے اور ہمارے گھر سے کافی دوری پر ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے جا کر رُکے۔ وہاں اُنھوں نے اس شخص کو پکارا جو وہاں رہتا تھا۔

ایک سفید بالوں والے بڑے میاں گھر سے باہر آئے۔





وہ سانپ کے کاٹے کا علاج جانتے تھے۔ نانا نے کہا "اِسے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ آپ اس کا علاج کر دیجیے" بڑے میاں مجھے اندر لے گئے۔

اُنھوں نے میری انگلی دیکھی اور بولے "چپ بیٹھے رہو۔ ہلنا ڈلنا مت" میں نانا کی گود میں بیٹھ گیا۔ بڑے میاں نے پیتل کے برتن سے تھوڑا سا پانی نکالا اور ہمارے سامنے بیٹھ کر منتر پڑھنے شروع کیے۔

میں اُن سے کہنا چاہتا تھا کہ سانپ نے نہیں بلکہ ایک بھڑ نے مجھے کاٹا ہے لیکن نانا نے مجھے کس کر پکڑ رکھا تھا اور اُنھوں نے مجھے بولنے ہی نہیں دیا۔ اُس وقت تک میری نانی بھی کئی اور لوگوں کے ساتھ وہاں آچکی تھیں وہ سب بہت غمگین نظر آرہے تھے۔ وہ کھڑے ہوئے خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے۔

اُس وقت تک انگلی کا درد رفع ہو چکا تھا پھر بھی مجھے وہاں بیٹھنا پڑا تاکہ سانپ کاٹے کی مکمل جھاڑ پھونک ہو جائے۔

چند منٹ بعد بڑے میاں اُٹھے۔ اُنھوں نے میری انگلی دھوئی اور تھوڑا سا پانی پینے کے لیے دیا۔ اُنھوں نے مجھے کچھ دیر اور خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ پھر نانا سے کہا ”خدا کا شکر ہے کہ آپ انھیں وقت پر یہاں لے آئے۔ اب صاحبزادے خطرے سے باہر ہیں۔ وہ سانپ جس نے ان کو کاٹا تھا وہ واقعی زہریلا تھا“

نانا، نانی اور سب لوگوں نے بڑے میاں کا ان کے انوکھے علاج کے لیے شکریہ ادا کیا گھر لوٹنے کے بعد نانا نے ان کے لیے بہت سے تحفے بھجوائے۔



جب میں نے پانی برسایا

بہت زور دار بارش ہو چکی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ نانا جان صندل کے پیڑ کے نیچے چنبیلی کے پودے سے پھول چن رہے تھے۔ پیڑ کی پتیاں بارش کی بوندوں سے بوجھل تھیں۔ میں جانتا تھا کہ میں پیڑ ہلا کر پانی برسا سکتا تھا۔

جس سے نانا جان اور میں خوب بھیگ جاتے۔ مجھے تو بارش میں نہانا بہت اچھا لگتا تھا۔ ہو سکتا ہے نانا کو اچھا نہ لگے لیکن مجھے تو بہت مزہ آئے گا۔

میں چپکے سے صندل کے نیچے گیا اور اپنی پوری طاقت سے اِسے ہلایا۔ زوردار بوچھار گری۔ نانا اور میں دونوں بھیگ گئے۔ مجھے تو بہت مزہ آیا لیکن نانا کو نہیں۔ اُنھوں نے گھوم کر مجھے غضب آلود نگاہ سے دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے پکڑ کر میری پٹائی کریں گے۔ اِس لیے میں بھاگا۔ وہ میرے پیچھے دوڑے۔ میں تیزی سے دوڑا۔ لیکن وہ مجھ سے زیادہ تیز دوڑے۔ وہ مجھے بس پکڑنے ہی والے تھے کہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ میں بھاگ کر دھان کے کھیتوں میں جا چھپا۔ میں نے نانا کو چلاّتے ہوئے سنا کہ جب میں گھر پہنچوں گا تو وہ مجھے سبق سکھائیں گے۔

میں گھر جانا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ مجھے ڈر تھا کہ نانا میری پٹائی کریں گے میں کھیتوں میں ہی چھپا رہا۔ اندھیرا ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے اندھیرے میں اکیلے رہنے سے ڈر لگ رہا تھا۔ میں نے بھوت پریت کی جو کہانیاں سُنی تھیں وہ سب مجھے یاد آنے لگیں۔ میں نے کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سر پر پیر رکھ کر گھر کی طرف بھاگا۔



میں اب بھی نانا کا سامنا کرنے سے ڈر رہا تھا اِسی لیے میں گھر میں نہیں گیا۔ میں گئوشالہ جا کر اٹاری میں چھپ گیا۔ وہاں سے میں نانا کو برآمدے میں بیٹھ کر پوجا کرتے دیکھ سکتا تھا۔

نانی میرے لوٹنے کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ میں نہیں لوٹا تو اُنھوں نے مجھے گھر میں ہر جگہ تلاش کیا۔ وہ باغ میں بھی جا کر مجھے پکار آئیں۔ جب کہیں پتا نہ لگا تو اُنھوں نے نانا کے پاس جا کر اُن سے پوچھا۔ نانا نے اُن سے کہا "آپ اُسے گھر میں ہی ڈھونڈیئے وہ کہیں چھپا ہوا ہوگا۔" نانی نے کہا "میں تو اُسے ہر جگہ ڈھونڈ آئی۔ کہیں بھی نہیں ہے"۔ اب تو نانا بھی اُٹھ کر باہر آئے اور مجھے آواز دینے لگے "راجہ، آجاؤ بیٹا۔ میں تمھیں ماروں گا نہیں"۔

میں نے اُنھیں بھی کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ مجھے ڈر تھا کہ وہ ماریں گے ضرور نانی غصہ ہو کر بولیں "اب وہ نہیں آئے گا۔ آپ نے اسے بھگا دیا ہے۔ میں نے آپ کو کہتے سُنا تھا کہ اگر وہ گھر آئے گا تو آپ اُس کی پٹائی کریں گے۔ بے چارہ بچہ آپ ہی سے ڈر کر بھاگ گیا"۔

نانا نے نوکروں کو بلا کر مجھے ڈھونڈنے کے لیے بھیجا۔ کچھ دیر بعد گھر لوٹ کر اُنھوں نے بتایا کہ مجھے تلاش نہ کر سکے۔ نانی رونے لگیں اور نانا آنگن میں ٹہلنے لگے۔

میرے گم ہونے کی خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ خبر سُن کر پہلے ہمارے پڑوسی آئے پھر ہمارے رشتے دار، بعد میں دوسرے لوگ بھی ہمدردی کا اظہار کرنے آئے۔

نانا کو یہ بات پسند نہ آئی۔ وہ چلاّئے "لڑکے کو کچھ بھی نہیں ہوا ہے وہ کہیں چھپا ہوا ہے سب لوگ یہاں بیٹھ کر بکواس کر رہے ہیں۔ کیا کوئی جا کر اُسے ڈھونڈ نہیں سکتا"۔

اُن میں سے کچھ ڈھونڈنے کے لیے باہر نکل گئے۔

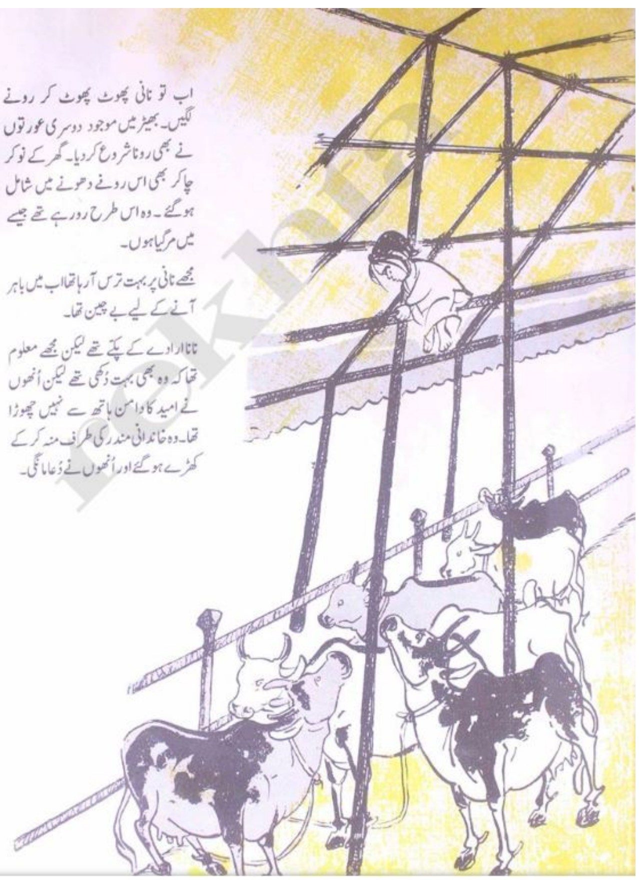
اتنی دیر میں اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی۔ نانی تو میرے ملنے کے بارے میں امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکی تھیں۔ وہ لوگوں کو بتانے لگیں کہ میں کتنا اچھا لڑکا تھا۔

مجھے تلاش کرنے نکلے لوگ ناکام لوٹ آئے۔

اب تو نانی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ بھیڑ میں موجود دوسری عورتوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ گھر کے نوکر چاکر بھی اس رونے دھونے میں شامل ہو گئے۔ وہ اس طرح رو رہے تھے جیسے میں مر گیا ہوں۔

مجھے نانی پر بہت ترس آ رہا تھا اب میں باہر آنے کے لیے بے چین تھا۔

نانا ارادے کے پکّے تھے لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ بھی بہت دُکھی تھے لیکن اُنھوں نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ وہ خاندانی مندر کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور اُنھوں نے دُعا مانگی۔



"اے ایشور! میری مدد کر! میرا بچہ مجھے واپس کر دے۔ مجھے اب اس کی ضرورت ہے۔ مجھ سے اب اور انتظار نہیں ہوتا" پھر وہ پوجا کے لیے خاموش کھڑے ہو گئے۔

اُسی وقت ماموں گھر واپس آئے تو اُنھوں نے گھر کا سارا احوال معلوم کیا اُنھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور تاڑ لیا کہ میں کہاں چُھپا ہوا تھا۔ اُنھوں نے گئوشالہ آکر مجھ سے اترنے کے لیے کہا۔ میں چپ چاپ نیچے اتر آیا تو وہ مجھے گھر لے گئے۔

نانا نے ابھی ابھی پوجا ختم ہی کی تھی جیسے ہی اُنھوں نے آنکھ کھولی اُنھوں نے مجھے اپنے سامنے کھڑے ہوئے پایا اُنھوں نے خوشی سے مجھے اپنی بانہوں میں لے کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا "ایشور نے ہماری دعا سن لی اور میرا بیٹا مجھے واپس لوٹا دیا۔'





ایشور کی دین

نانا جان بہت خدا پرست اور پرہیز گار انسان تھے۔ وہ دن میں کئی بار پوجا پاٹ کرتے۔ مندروں میں جاتے اور دیوتاؤں کو چڑھاوا چڑھاتے۔

ہمارے گاؤں میں اور اس کے آس پاس کئی مندر تھے ہمارے خاندان کی خیر و عافیت کے لیے نانا جان ان میں سے کئی ایک مندروں میں پوجا کرواتے۔ ہر جمعہ کو خاص طور پر میرے لیے ایک بڑے مندر میں خاص پوجا کرواتے۔



اس لیے مجھے ان کے ساتھ مندر میں پوجا کے لیے جانا پڑتا تھا۔

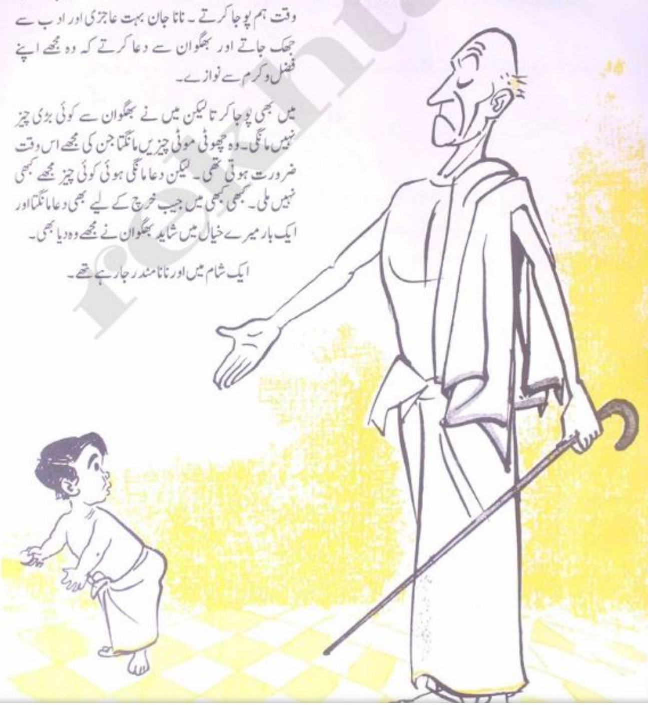
مجھے مندر میں جانا اچھا لگتا تھا۔ وہاں دیکھنے کے لیے بہت عمدہ عمدہ چیزیں تھیں۔ وہ عمارت دوسری عمارتوں سے بالکل الگ اور بہت خوب صورت تھی۔ بہت سے مٹی کے دیئے شام کو جلائے جاتے تھے۔ پھول تھے اور پھولوں کے ہار تھے۔ سنگیت تھا۔ سنکھ پھونکے جاتے اور گھنٹیاں بجائی جاتی تھیں۔

خوبصورت لباس اور زیورات سے سجی بھگوان کی مورتی تھی جسے دیکھتے ہی بنتا تھا۔

خاص پوجا شام کے آخری حصے میں ہوتی تھی۔ جب ہماری پوجا کرنے کا وقت آجاتا تو ہم اندر جاتے اور اندرونی پوجا گھر کے بند دروازے کھلنے کا انتظار کرتے جلدی ہی سنکھ پھونکے جاتے۔ گھنٹے بجائے جاتے اور مندر کے دروازے کھل جاتے اُسی وقت ہم پوجا کرتے۔ نانا جان بہت عاجزی اور ادب سے جھک جاتے اور بھگوان سے دعا کرتے کہ وہ مجھے اپنے فضل و کرم سے نوازے۔

میں بھی پوجا کرتا لیکن میں نے بھگوان سے کوئی بڑی چیز نہیں مانگی۔ وہ چھوٹی موٹی چیزیں مانگتا جن کی مجھے اس وقت ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن دعا مانگی ہوئی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی۔ کبھی کبھی میں جیب خرچ کے لیے بھی دعا مانگتا اور ایک بار میرے خیال میں شاید بھگوان نے مجھے وہ دیا بھی۔

ایک شام میں اور نانا مندر جا رہے تھے۔



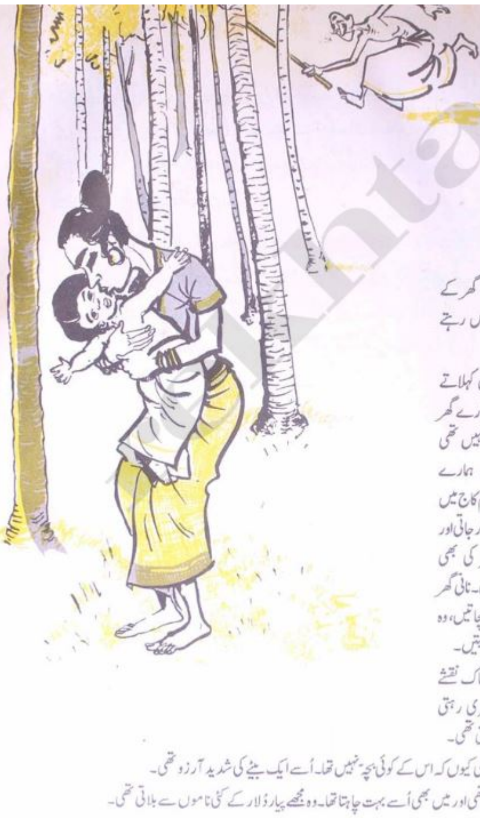
راستے میں ہم نے مندر کے تالاب میں غسل کیا۔ تالاب سے باہر نکلتے وقت مجھے بالو میں کوئی چمکدار چیز پڑی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے اُسے اٹھالیا یہ چاندی کا روپیہ تھا۔ میں بہت خوش ہوا۔ میں نے سوچا کہ یہ بھگوان کی طرف سے انعام ہے۔

جب ہم مندر پہنچے تو میں نے اس عطیہ کے بارے میں بتایا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ یہ مجھے کہاں ملا تھا تو میں نے بتایا کہ یہ بھگوان نے میرے لیے بالو میں رکھ دیا تھا۔ نانا نے اس وقت کچھ اور نہیں کہا۔

ہم نے مندر کے اندر جا کر پوجا پاٹ کی۔ پوجا ختم کرنے کے بعد نانا نے مجھ سے روپیہ مانگا۔ میں دینا تو نہیں چاہتا تھا لیکن نانا جان کا حکم بھلا کیسے ٹالتا۔ انھوں نے وہ روپیہ لے کر پجاری کو دے دیا۔

مجھے نانا جان پر بہت غصہ آرہا تھا۔ راستے بھر اُن سے بات نہیں کی۔ گھر پہنچ کر اُنھوں نے پوچھا" کیا بات ہے؟ تم اُداس نظر آرہے ہو۔ کیا روپے کی وجہ سے اُداس ہو"؟ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تب اُنھوں نے کہا" تم کو جو روپیہ پڑا ملا وہ خدا کی دین نہیں ہے۔ یہ کسی اور کا روپیہ ہے جو اس سے کہیں گر گیا ہوگا۔ بھگوان اس طرح ہمیں اپنے دین نہیں دیا کرتے۔ اگر تم محنت کروگے تو وہ ڈھیر سارے روپے کمانے میں تمھاری مدد کرے گا۔ کبھی وہ پیسہ نہ چھونا جو تم نے خود نہ کمایا ہو۔"



چرو تھا کا پیار

چرو تھا اور اس کا شوہر ہمارے گھر کے پاس ہی ایک چھوٹے مکان میں رہتے تھے۔

وہ غریب لوگ تھے اور ہریجن کہلاتے تھے۔ انھیں ہمیں چھونے یا ہمارے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی لیکن چرو تھا ایسی تھی جیسے ہمارے خاندان کی ہی ہو۔ وہ نانی کے کام کاج میں بہت ہاتھ بٹاتی تھی وہ ہر روز بازار جاتی اور نانی کو گھر کے لیے جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی، وہ خرید لاتی تھی۔ نانی گھر میں جو چاول اور ناریل وغیرہ بچاتیں، وہ اُسے چرو تھا سے بازار میں بکوا دیتیں۔

چرو تھا یوں تو سانولی تھی لیکن ناک نقشے کی اچھی تھی اور صاف ستھری رہتی تھی۔ اور ہمیشہ سفید کپڑے پہنتی تھی۔

لیکن چرو تھا خوش نہیں رہتی تھی کیوں کہ اس کے کوئی بچہ نہیں تھا۔ اُسے ایک بیٹے کی شدید آرزو تھی۔

چرو تھا مجھ سے بہت پیار کرتی تھی اور میں بھی اُسے بہت چاہتا تھا۔ وہ مجھے پیار دُلار کے کئی ناموں سے بلاتی تھی۔

وہ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ "ایک دن میں تم کو گود میں لے کر جی بھر کر پیار کروں گی۔ میں سوچتا تھا کہ وہ اُسی وقت ہی گود میں کیوں نہیں اُٹھا لیتی کس بات کی جھجھک ہے اُسے؟ ایک دن جب میں باغ میں کھیل رہا تھا، اتفاقاً چرو تھا اِدھر سے گزری۔ اُس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ میرے آس پاس کوئی نہ تھا۔ بس اُس نے میرے پاس آکر مجھے گود میں اُٹھا لیا۔ سینے سے چمٹا لیا اور میرے گال چوم لیے۔

اچانک نانا جان کی غضب آلود آواز سنائی دی۔ چرو تھا کے کاٹو تو خون نہیں۔ وہ جھٹ مجھے گود سے اتار کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی پھر میں نے دیکھا کہ نانا جان ایک موٹا سا ڈنڈا لیے اُس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اُنھوں نے ایک دو ڈنڈے اُس کے جما بھی دیئے۔ نانا جان غصّے میں جانے کیا کیا بکتے جھکتے چلے آرہے تھے کہ نانی نے باہر آکر اُن سے پوچھا "آپ کس پر بگڑ رہے ہیں"؟ بس، پھر وہ نانی کے اوپر برس پڑے "تم پر---- یہ سب تمھارا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے اس عورت، چرو تھا کو یہاں آنے کی اجازت دی۔ اب دیکھو اُس نے کیا گُل کھِلائے ہیں۔ اُس کی ہمت تو دیکھو کہ اُس نے راجہ بیٹے کو گود میں لے لیا۔ اگر تمھیں چرو تھا سے اتنی ہی محبت ہے تو گھر سے نکل جاؤ اور اُسی کے ساتھ رہو جا کر، میں بچے کی دیکھ بھال خود کر لوں گا"۔

نانی نے کہا "تو اس میں چلّانے کی کیا بات ہے؟ اگر چرو تھا نے راجہ کو چھو لیا تو راجہ سے کہیے کہ وہ جا کر نہا لے۔ بس معاملہ ختم" پھر نانا میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے تالاب پر لے گئے۔ ہم دونوں نے پانی میں ڈبکی لگائی۔ ہریجن، سے چھوئے جانے کے گناہ کا داغ اس طرح دُھل گیا۔

مجھے بے چاری چرو تھا پر ترس آرہا تھا۔ اُس بے چاری نے کوئی قصور نہیں کیا تھا۔ اُس نے جب مجھے گود میں لے کر چوما تھا تو مجھے اچھا لگا تھا۔ اُس کا پیار ماں کا پیار تھا۔ یوں تو گھر میں ہر ایک مجھ سے پیار کرتا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ چرو تھا مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتی تھی۔

اگلے دن میں نے ماموں کو ساری بات بتائی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ پٹائی کے بعد چرو تھا کا کیا حال ہے۔ ماموں نے کہا "فکر نہ کرو۔ ایسی بری باتیں ابھی دنیا میں باقی ہیں لیکن دنیا تیزی سے بدل رہی ہے" میں سمجھ نہیں سکا کہ ان کا کیا مطلب تھا۔

کچھ دیر بعد ماموں نے میرے پاس آکر پوچھا "کیا تم چہل قدمی کے لیے چلنا پسند کرو گے"؟۔



میں خوشی خوشی ان کے ساتھ چلا گیا، ہم کچھ لوگوں سے ملنے گئے اور لوٹتے وقت ہم چروتھا کے گھر کے پاس سے گزرے۔

چروتھا اپنے گھر کے اندر تھی ماموں نے اُسے آواز دے کر کہا "راجہ آیا ہے اور وہ تم سے ملنے اندر آرہا ہے"

چروتھا نے گھبراتے ہوئے کہا "نہیں، نہیں، آپ اندر نہ آیئے ورنہ میری خیر نہیں"

ماموں نے کہا "راجہ تم سے ملنا چاہتا تھا۔ میں اُسے لے آیا اب تم جانو اور تمھارا کام"

"میرے ننھے منے، میرے لال آپ اندر نہ آیئے۔ آپ فوراً یہاں سے چلے جایئے ورنہ کوئی دیکھ لے گا" پھر وہ رونے لگی ماموں نے کہا "اندر چلے جاؤ، راجہ! دیکھو چروتھا کتنی اُداس ہے صرف تم ہی اُسے خوش کر سکتے ہو"

چروتھا نے پھر کہا "نہیں آپ اندر نہ آیئے۔ میں اچھوت ہوں۔ میرے گھر کے اندر گناہ ہے"

ماموں نے کہا "چروتھا، روؤمت، راجہ چاہتا ہے کہ تم ایک بار پھر اسے پیار کرو، اور اُنھوں نے مجھے اندر ڈھکیل دیا۔ "ارے نہیں، میں اب کبھی بھی آپ کو پیار نہیں کروں گی آپ یہاں سے فوراً چلے جایئے۔ کہیں بڑے مالک نے دیکھ لیا تو وہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے"۔

میں اندر چلا گیا۔ چروتھا اب بھی رو رہی تھی۔ اُسے روتا ہوا دیکھ کر میرے بھی آنسو بہنے لگے۔

چروتھا نے مجھے روتے ہوئے دیکھا تو اُس نے فوراً اپنے آنسو پونچھے ماموں کو دیکھ کر مجھے دیکھا۔ پھر اُس نے مجھے گود میں اٹھایا۔ اپنی چھاتی سے کس کر چمٹایا اور مجھے بار بار چوما۔ مجھے لگا کہ میری ماں مجھے چوم رہی ہیں۔

میں کچھ ہی دیر چروتھا کے ساتھ رہا۔ پھر چروتھا نے کہا "جاؤ میری آنکھوں کے تارے، کہیں بڑے مالک نہ دیکھ لیں کہ تم یہاں ہو"۔

ہم اپنے گھر واپس آگئے۔ میں چروتھا کی جھونپڑی میں دوبارہ نہیں گیا لیکن میں اس سے ہر روز ملا کرتا تھا۔ جب بھی وہ مجھے دیکھتی اُس کی آنکھوں میں وہ پیار جھلکنے لگتا جو صرف میرے لیے تھا۔

میں اُس سے ملنا اور بات کرنا چاہتا تھا۔ میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ آخر وہ اچھوت کیوں ہے؟

بڑا مہمان

ایک بار ہمارے گھر پر ایک بڑا مہمان آیا تھا۔ یہ لکشمی تھی ایک کم عمر ہتھنی، وہ ہمارے دولت مند رشتے داروں میں سے کسی ایک کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم اسے کچھ دن کے لیے اپنے پاس رکھ لیں۔ نانا کو یہ بات کچھ پسند نہ آئی لیکن وہ ایک رشتے دار کی درخواست پر بھلا انکار کیسے کرتے؟

جب میں نے سنا کہ لکشمی آ رہی ہے تو میں خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ میں ہر ایک سے پوچھتا پھرا کہ بھلا اس کا استقبال کیسے کیا جائے۔ نانی نے بتایا کہ ہاتھی گنّے پسند کرتے ہیں اور مجھے کچھ گنّے لا کر رکھ لینے چاہئیں۔

اور پھر ایک شام لکشمی اپنے مہاوت کٹّو کے ساتھ آ گئی وہ بہت خوبصورت کمسن ہتھنی تھی۔ کٹّو نے کہا "ابھی تو یہ بہت کم عمر ہے، مشکل سے آٹھ سال کی لیکن ہے بہت ہوشیار ہر کام جلدی سیکھ لیتی ہے۔ بہت محبت کرنے والی ہے اور سب کے ساتھ کھیلنا پسند کرتی ہے" کٹّو نے لکشمی کے بارے میں اتنی ڈھیر ساری اچھی اچھی باتیں بتائیں کہ میں سوچنے لگا کہ جیسے لکشمی اس کی بیٹی ہو۔

میں ایک گنّا لکشمی کو دینا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس جانے سے مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ کٹّو نے میرے ہاتھ میں گنّا دیکھا تو وہ مجھے لکشمی کے پاس لے گیا۔ اُس نے کہا "یہ بچوں سے بہت پیار کرتی ہے" میں نے ہاتھ بڑھا کر لکشمی کو گنّا دیا۔ اُس نے لے کر کھا لیا۔

رات میں لکشمی ہمارے آنگن میں ایک پیڑ سے باندھ دی گئی۔ میں بہت دیر تک وہیں بیٹھا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ میں وہاں اور دیر تک بیٹھا رہتا لیکن نانی نے باہر آ کر کہا "راجہ اب تم سونے جاؤ۔ تم ہاتھی کو صبح کے وقت دیکھ سکتے ہو۔"

میں اگلے دن اُٹھ کر باہر آ گیا۔ لکشمی مجھے دیکھ کر سونڈ ہلانے لگی جیسے میرا استقبال کر رہی ہو۔ میں اب بھی اس کے پاس جانے سے ڈر رہا تھا۔

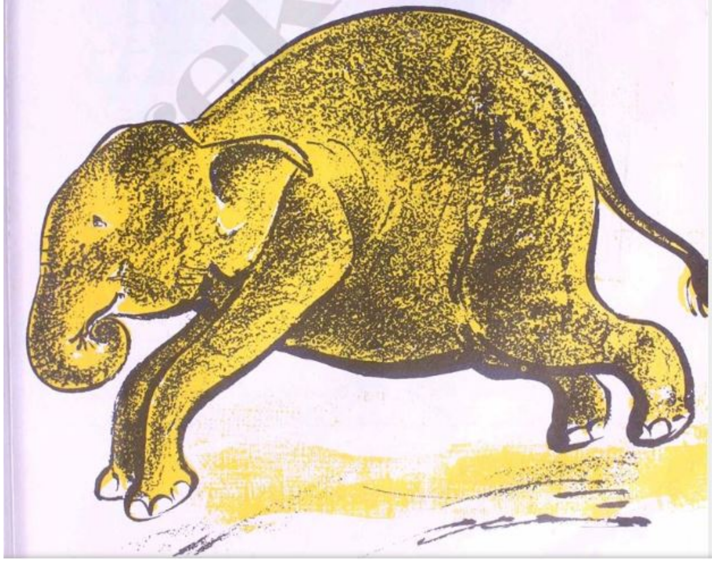


لکشمی نے میرے پاس آنے کی کوشش کی لیکن زنجیر سے بندھے ہونے کی وجہ سے نہ آ سکی۔

سویرے کٹّو آیا اور لکشمی کو نہلانے لے گیا۔ میں نے کبھی ہاتھی کو نہاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تالاب تک پہنچ گیا۔ لکشمی پہلے اکیلی پانی میں اتری۔ وہ پانی میں کھیلتی رہی۔ اس نے پانی سونڈ میں لے کر کئی بار اپنے جسم پر انڈیلا۔ پھر کٹّو نے اندر جا کر لکشمی سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ لکشمی نے دوبارہ اپنی سونڈ میں پانی بھر کر کٹّو کو دیکھا کٹّو نے کہا "نہیں، نہیں یہ مت کرو" لیکن لکشمی نے بات نہ مانی اور سونڈ میں بھرا پانی کٹّو پر گرا دیا۔ کٹّو ناراض نہیں ہوا۔ اس نے دوبارہ لکشمی سے بیٹھنے کے لیے کہا لیکن لکشمی نے ایک بار پھر پانی سونڈ میں بھر لیا۔ کٹّو نے ڈنڈا دکھا کر ڈانٹا "خبردار"! اس بار لکشمی نے کٹّو پر پانی نہیں ڈالا بلکہ سونڈ اُٹھا کر پانی زور سے پیچھے کی طرف اُچھال دیا۔

اُنھوں نے ہر ایک سے اُس کے بارے میں پوچھ تاچھ کی تو اُنھیں معلوم ہو گیا کہ کیلے میں نے ہی نکالے تھے۔ اُنھیں یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ کوئی ان سے پوچھے بغیر کوئی چیز اُٹھالے جائے۔ اُنھوں نے ایک لمبی بید اُٹھائی اور مجھے بلایا۔ میں جانتا تھا کہ اب وہ میری پٹائی کریں گے میں سرپٹ بھاگا۔ آگے آگے میں اور پیچھے پیچھے نانا جان۔

اُس وقت لکشمی پیڑ سے نہیں بندھی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ میں بھاگ رہا ہوں اور نانا میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ فوراً میری مدد کے لیے آئی۔ وہ چنگھاڑتی ہوئی نانا جان کی طرف دوڑی۔ نانا بہت ڈر گئے تھے۔





میں پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ سارا پانی مجھ پر گرا۔ بہت مزہ آیا لکشمی کھیل رہی تھی۔

کِٹو نے لکشمی کے کان کھینچ کر اُسے بیٹھنے کو کہا۔ اس نے فوراً کہنا مان لیا، کِٹو نے ایک پتھر کے ٹکڑے سے اس کے بدن کو رگڑ رگڑ کر نہلا دیا۔

گھر لوٹتے وقت کِٹو نے مجھے لکشمی پر سواری کروائی میں بہت خوش ہوا جب ہم گھر پہنچے تو نانا، نانی اور سب مجھے ہاتھی پر سواری کرتے دیکھنے کے لیے، باہر کھڑے ہوئے انتظار کر رہے تھے۔

کِٹو نے مجھے بتایا تھا کہ لکشمی کو گنوں سے زیادہ پکے ہوئے کیلے پسند ہیں۔

ویسے تو ہمارے گھر میں کیلے بہت تھے لیکن پکّے ہوئے کیلے تہہ خانے میں رکھے تھے۔ صرف نانا جان ہی اُنھیں باہر لا کر بانٹ سکتے تھے۔ میں موقع کا انتظار کرنے لگا اور جیسے ہی نانا جان باہر نکلے۔ میں چپکے سے تہہ خانے میں گیا اور پکّے کیلوں کا آدھا گچھا لے آیا۔ میں کیلے لکشمی کے پاس لے گیا اور اس نے مزہ لے کر کیلے کھائے۔

بعد میں نانا جان نے دیکھا کہ کچھ کیلے غائب ہیں۔

وہ پیچھے مڑے اور اپنی جان بچا کر بھاگے۔ اُنھوں نے گھر کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔
میں نے لکشمی کے پاس جا کر اُسے پیار سے تھپتھپایا کچھ دیر بعد ناناجی گچھے کا بچا ہوا دوسرا حصہ ہاتھ میں لیے ہوئے باہر آئے۔
اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ میں وہ کیلے لکشمی کو کھلا دوں۔ میں نے کیلے لکشمی کو کھلائے تو وہ بھی خوش ہوئی اور ناناجان بھی۔
لکشمی ہمارے ساتھ صرف پندرہ دن رہی۔ جب وہ گئی تو میں بہت اُداس تھا۔



مگرمچھ کے لیے آنسو

ایک بار ہمارے تالاب میں ایک بہت بڑا مگرمچھ آگیا۔ وہ برسات کے دنوں میں آیا اور گرمیوں تک رہا۔

مگرمچھ کھانے کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ اور ایسی جگہوں میں بس جاتے ہیں جہاں اُنھیں کھانا آسانی سے مل سکے ہمارے تالاب میں بہت مچھلیاں تھیں جن کی وجہ سے وہ یہاں آیا تھا۔

میں اکثر مگرمچھ کو پورا منہ کھولے دھوپ کھاتے دیکھتا تھا۔ مجھے اس بات کی تو پرواہ نہ تھی کہ وہ ہمارے تالاب میں ٹھہرا ہوا ہے لیکن یہ بات پسند نہ تھی کہ وہ ہماری مچھلیاں کھائے۔ اس لیے میں یہ چاہتا تھا کہ مگرمچھ چلا جائے۔ کیوں کہ یہ اپنے آپ نہیں جا رہا تھا، میں نے اُسے بھگانے کی کوشش کی۔

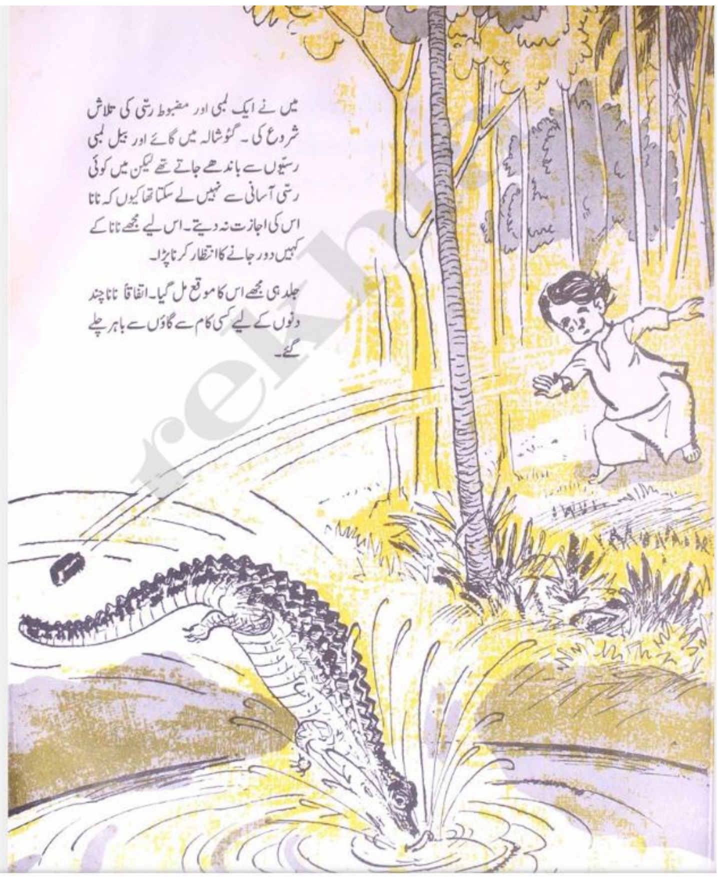
میں نے اینٹوں کے ٹکڑے اور پتھر جمع کیے اور پنجوں کے بل چلتا ہوا تالاب تک گیا۔ مگرمچھ کنارے پر تھا۔ میں نے ایک پیڑ کے پیچھے کھڑے ہو کر ایک اینٹ پوری طاقت سے مگرمچھ پر پھینکی لیکن اینٹ لگنے سے پہلے ہی مگرمچھ پانی میں کود کر نگاہ سے اوجھل ہو گیا میں اس کے باہر آنے کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ پھر نمودار نہیں ہوا۔

میں گھر چلا گیا اور چند گھنٹے بعد واپس آیا مگرمچھ کنارے پر تھا۔ میں نے دوبارہ اسے پتھر سے مارنے کی کوشش کی لیکن یہ پھر صاف بچ نکلا۔ بہت دنوں تک میں مگرمچھ پر نشانے لگاتا رہا لیکن نشانہ ہمیشہ چوکتا رہا۔

میں نے ایک بار آوارہ کتوں کو پھندے سے پکڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ مگرمچھ کو بھی پکڑنے کے لیے پھندے کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگرمچھ دن بھر ایک تالاب میں پڑا رہتا تھا لیکن رات میں مچھلیاں پکڑنے کے لیے ایک تالاب سے دوسرے تالاب میں جاتا، اور راستے میں اپنے نشان چھوڑ جاتا ان نشانوں کے پیچھے چلنے سے معلوم ہوا کہ مگرمچھ نے ایک تالاب کے کنارے ایک بڑا سا چھید بنا لیا ہے۔ پھندہ لگانے کے لیے یہ جگہ سب سے اچھی تھی۔ مگرمچھ اس راستے سے نکلے گا اور اس پھندے میں پھنس جائے گا اب مجھے صرف ایک مضبوط رسّی کی ضرورت تھی۔

میں نے ایک لمبی اور مضبوط رسّی کی تلاش شروع کی ۔ گئوشالہ میں گائے اور بیل لمبی رسّیوں سے باندھے جاتے تھے لیکن میں کوئی رسّی آسانی سے نہیں لے سکتا تھا کیوں کہ نانا اس کی اجازت نہ دیتے۔ اس لیے مجھے نانا کے کہیں دور جانے کا انتظار کرنا پڑا۔

جلد ہی مجھے اس کا موقع مل گیا۔ اتفاقاً نانا چند دنوں کے لیے کسی کام سے گاؤں سے باہر چلے گئے۔



شام کو میں نے گئوشالہ جاکر ایک گائے کی لمبی رسّی نکالی میں رسّی لے کر باڑ کے پاس پہنچا جہاں مگرمچھ نے چوڑا چھید بنایا تھا۔ میں نے رسّی کے ایک سرے پر پھندہ بنایا اور چھید کے پاس اسے لگا کر دوسرا سِرا پیڑ سے باندھ دیا۔ اس طرح جال بچھا کر میں گھر چلا گیا مجھے امید تھی کہ مگرمچھ آکر اس پھندے میں پھنس جائے گا۔

اگلی صبح میں جلدی اُٹھا اور بھاگتا ہوا باڑ کے پاس پہنچا۔ وہاں بڑا مگرمچھ موجود تھا اور پھندہ اس کی گردن میں پھنسا ہوا تھا۔ اس نے بچ نکلنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی کیوں کہ پیڑ کے پاس کی زمین خوب روندی ہوئی تھی۔

مگرمچھ مجھے دیکھتے ہی ایک عجیب سی آواز نکال کر منہ کھولے ہوئے میری طرف جھپٹا لیکن مضبوط رسّی نے اُسے آگے بڑھنے نہیں دیا۔

میں بھاگ کر گھر پہنچا۔ میں نے ماموں جان کو جگا کر اپنے بڑے شکار کے بارے میں بتایا۔ پہلے تو اُنھیں میری بات پر یقین ہی نہ آیا پھر اُنھوں نے میرے ساتھ آکر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا وہ سچ ہے۔ میں مگرمچھ کو وہاں سے ہٹا کر اپنے گھر کے پاس لانا چاہتا تھا۔ ماموں نے میری مدد کی وہ ایک دوسری رسّی لائے۔ ایک سرے پر پھندہ بنایا اور ایک بانس کے سہارے دوسری رسّی مگرمچھ کے جسم پر باندھ دی اور رسّی کھینچ لی۔ پھر ہم نے اس دیو قامت مخلوق کو کھینچا، میں اُسے آگے سے کھینچ رہا تھا اور ماموں اسے پیچھے سے پکڑے ہوئے تھے ہم اسے گھر کے بالکل قریب لے آئے اور اسے دو پیڑوں سے مضبوطی سے باندھ دیا۔

لوگ باگ اب تک اس بڑے شکار کے بارے میں سُن چکے تھے اور بہت سے لوگ اسے دیکھنے آئے۔ سب سے پہلے نانی ان کے بعد نوکر چاکر اور پھر پڑوسی۔ کچھ ہی دیر میں خاصی بھیڑ جمع ہو گئی۔

میں اس دن اسکول نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے درخواست لکھ کر ماسٹر صاحب کو مگرمچھ پکڑنے کی بات بتاتے ہوئے چھٹی مانگی۔ ایک نوکر درخواست لے کر اسکول گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ماسٹر صاحب بھی تھے اور تیس سے زیادہ لڑکے بھی۔ میری پوری کلاس مگرمچھ دیکھنے چلی آئی تھی۔

میں نے سوچا کہ میں کم از کم اپنی کلاس کا ہیرو ضرور ہوں۔ میں نے اُنھیں مگرمچھ کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ میں نے اس کو کس طرح پکڑا تھا۔ ماسٹر صاحب نے بھی مگرمچھ کے بارے میں وہ باتیں بتائیں جو ہم نہیں جانتے تھے۔

بھیڑ بڑھتی گئی۔ کچھ لوگ تو مگرمچھ کو مارنا چاہتے تھے۔ وہ اس پر پتھر اور ڈنڈے پھینک کر مار رہے تھے۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ مگرمچھ میرا ہے اور اُنھیں اسے مارنے کا حق نہیں ہے لیکن اُنھوں نے میری بات نہیں مانی۔

جلد ہی بھیڑ اور زیادہ ہوئی۔ اب زیادہ لوگ مگرمچھ پر پتھر پھینکنے لگے۔ میں نے اُن میں سے کچھ کو اسے مار ڈالنے کی بات کرتے بھی سُنا۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ مگرمچھ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ میں نے آخر میں اُن سے کہا کہ میں مگرمچھ کو آزاد کرنے جا رہا ہوں۔

بہت سے لوگ ناراض ہو گئے۔ کہنے لگے مگرمچھ کو چھوڑ دینا خطرناک ہے۔ مگرمچھ پہلے ہی بہت نقصان پہنچا چکا ہے اس لیے اُسے مار ڈالنا ہی مناسب ہے۔ ایک شخص نے آگے آ کر کہا کہ مگرمچھ نے اس کا کتا مار کر کھا ڈالا تھا۔ ایک اور صاحب بولے کہ مگرمچھ نے ان کی گائے پر حملہ کیا تھا۔ ایک عورت چلّائی "اسی مگرمچھ نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے میرا پیچھا کیا تھا"

لوگوں کا غصہ بڑھ رہا تھا اور صبر ختم ہوتا جا رہا تھا۔ بہت سے لوگ ڈنڈے، چاقو لیے ہوئے تھے۔ کچھ کے پاس کلہاڑیاں بھی تھیں۔ وہ میرے مگرمچھ کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ میں اکیلا اور بے بس تھا میں نے ماموں کو آواز دی۔ لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ شاید وہ بھی ہجوم میں تھے۔ میں نے نانی کو آواز دی تو وہ آ گئیں لیکن اُنھوں نے وہی باتیں سنیں جو لوگ کہہ رہے تھے اُنھوں نے بھی یہی کہا کہ مگرمچھ کو مار ڈالنا بہتر ہے۔ اب امید کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

پھر اچانک نانا واپس آ گئے۔ میں جانتا تھا کہ وہ اکیلے انسان تھے جو مگرمچھ کی زندگی بچا سکتے تھے۔ میں لپک کر ان کے پاس پہنچا اور انھیں سارا قصہ کہہ سُنایا۔ میں نے ان سے مگرمچھ کی جان بچانے کی وکالت کی۔

نانا اس جگہ آئے جہاں مگرمچھ پیڑوں سے بندھا ہوا تھا۔ اُنھوں نے پہلے بڑے سے قیدی کو دیکھا اور پھر بھیڑ کو۔ اب اُنھوں نے بلند آواز میں کہا کہ مگرمچھ کو آزاد کر دیا جائے گا۔ کوئی اُسے نقصان نہ پہنچائے۔

میں خوشی سے اچھل پڑا۔ لیکن لگ رہا تھا کہ ہجوم کو نانا کا فیصلہ پسند نہیں آیا۔ کچھ لوگوں نے ان سے بحث کرنے کی کوشش کی لیکن نانا ان میں سے نہیں تھے جو بحث کرنے کا موقع دیتے اُنھوں نے مجمع کو ڈانٹ دیا کہ وہ وہاں سے رفوچکر ہو جائیں ہجوم آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔

پھر نانا نے میری طرف گھوم کر کہا "مگرمچھ کو فوراً آزاد کر دو"۔ اس طرح مگرمچھ کی جان بچالی گئی اچانک مجھے ایک ڈر محسوس ہوا کہ میں مگرمچھ کو کیسے آزاد کروں؟

اسی وقت ماموں آ گئے۔

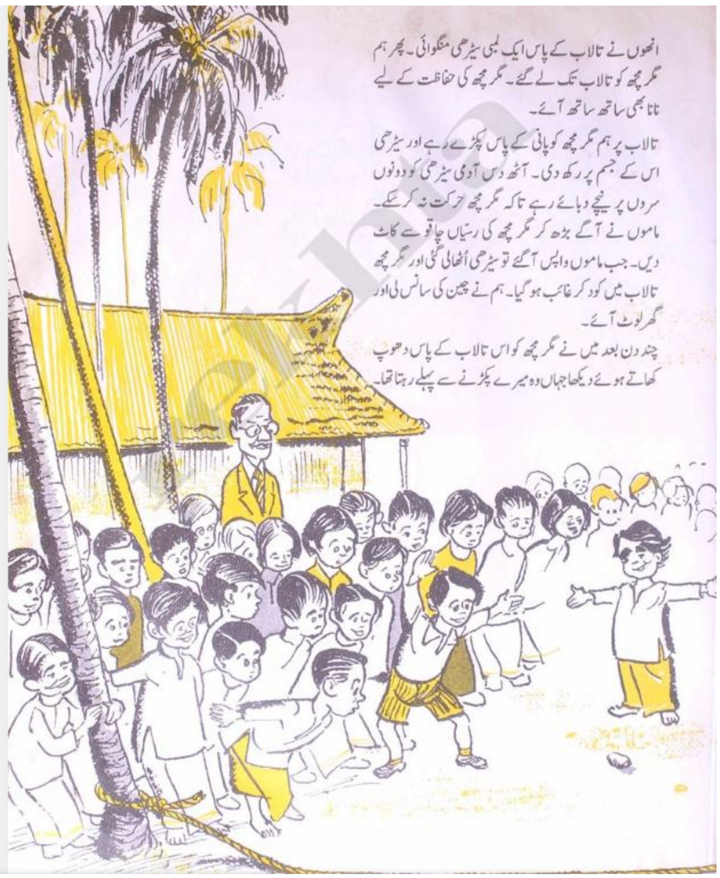
اُنھوں نے کہا کہ "ہمارے گھر سے کچھ دوری پر ایک تالاب ہے۔ اس میں بہت مگرمچھ تھے۔ ہم مگرمچھ کو وہیں جا کر چھوڑ آئیں گے"۔



انھوں نے تالاب کے پاس ایک لمبی سیڑھی منگوائی۔ پھر ہم مگر مچھ کو تالاب تک لے گئے۔ مگر مچھ کی حفاظت کے لیے نانا بھی ساتھ آئے۔

تالاب پر ہم مگر مچھ کو پانی کے پاس پکڑے رہے اور سیڑھی اس کے جسم پر رکھ دی۔ آٹھ دس آدمی سیڑھی کو دونوں سروں پر نیچے دبائے رہے تاکہ مگر مچھ حرکت نہ کر سکے۔ ماموں نے آگے بڑھ کر مگر مچھ کی رسّیاں چاقو سے کاٹ دیں۔ جب ماموں واپس آگئے تو سیڑھی اُٹھالی گئی اور مگر مچھ تالاب میں کود کر غائب ہو گیا۔ ہم نے چین کی سانس لی اور گھر لوٹ آئے۔

چند دن بعد میں نے مگر مچھ کو اس تالاب کے پاس دھوپ کھاتے ہوئے دیکھا جہاں وہ میرے پکڑنے سے پہلے رہتا تھا۔





اسکول کی زندگی

ہمارے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب موٹے تھے اور ٹھگنے بھی۔ وہ اتنے موٹے اور اتنے ناٹے تھے کہ جب وہ چلتے تو لڑھکتی ہوئی گیند نظر آتے۔ ہم لوگ پیٹھ پیچھے ان کا خوب ہنسی مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن ان کے سامنے ہم سب بھیگی بلی بن جاتے۔ وہ ہمیشہ بہت سنجیدہ رہتے اور اسکول میں کبھی نہیں مسکراتے تھے۔ وہ طلبا کو نظم و ضبط کا پابند دیکھنا چاہتے تھے اور اس کے لیے بید کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرتے تھے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب میرے نانا جان کے دوست تھے وہ کبھی کبھی ہمارے گھر نانا جان سے ملاقات کرنے اور اسکول میں میری پڑھائی کے بارے میں بتانے آیا کرتے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھ میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی تھی لیکن ان کی رپورٹ یہ تھی کہ میرا شمار بہترین طلبا میں ہوتا ہے اور میرا مستقبل بہت روشن تھا۔ نانا جان یہ سن کر بہت خوش ہوتے اور بار بار یہ ہی سننے کے خواہش مند رہتے۔

خیر 'ایک دن ہیڈ ماسٹر صاحب نے نانا سے کہا کہ "اُنھیں اندیشہ تھا کہ میں اپنی پڑھائی سے لاپرواہی برت رہا تھا اور نانا کو میری جانب زیادہ توجہ دینی چاہیے تھی۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کے جاتے ہی نانا نے مجھے خاص توجہ سے نوازا۔ وہ ایک بید لے کر اچانک میرے کمرے میں نمودار ہوگئے۔ اس وقت میں ایک تصویر بنا رہا تھا وہ مجھ پر شیر کی طرح ٹوٹ پڑے اور میری کلائی پکڑ کر میری مرمت کرنے لگے۔ میں بلند آواز میں رونے لگا۔ اور نانی کو اپنی مدد کے لیے بلانے لگا۔ نانی لپک کر آئیں اور میرے اور نانا کے بیچ میں پڑ گئیں۔

"رُک جایئے —— "وہ چلائیں "آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ تو بچے کو مارے ڈال رہے ہیں!"

نانا جان نے مجھے تو چھوڑ دیا لیکن نانی کی جانب گھوم کر چلائے "آپ ہی اسے برباد کر رہی ہیں۔ یہ بالکل پڑھائی نہیں کر رہا ہے یہ تو صرف تصویریں بنا رہا ہے"

پھر اُنھوں نے کمرے میں نگاہ دوڑائی تو دیواروں پر تصویریں ہی تصویریں نظر آئیں۔ وہ آگ بگولہ ہوگئے اور پھر اُنھوں نے زیادہ سے زیادہ تصویریں پھاڑ ڈالیں۔



اور مجھے دھمکا کر بولے" اب آگے تصویریں بنانے میں وقت ضائع کرتے نہ دیکھوں۔ ورنہ تمھاری خیر نہیں"

مجھے افسوس تھا کہ میری تمام اچھی تصویریں برباد ہوگئیں اور اب میں گھر پر تصویر بنانے میں ڈرنے بھی لگا۔

ایک دن ہمارے ریاضی کے ماسٹر صاحب چھٹی پر تھے تو ہیڈ ماسٹر صاحب ریاضی پڑھانے آئے کیوں کہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا کوئی سبق چھوٹ جائے۔

ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کوئی کلاس لیں لیکن ہم بے بس تھے۔



وہ کلاس میں داخل ہوئے تو ہم سب خاموشی سے کھڑے ہوگئے یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ سب ٹھیک ہے اُنھوں نے کلاس میں نگاہ دوڑائی۔ پھر اُنھوں نے بایاں ہاتھ ہلا کر ہمیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ ہم بیٹھ گئے۔

پھر اُنھوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے کاغذ سے پانچ سوال بلیک بورڈ پر نقل کیے اور ہماری طرف گھوم کر کہا" پیریڈ ختم ہونے سے پہلے یہ سارے سوال کر ڈالو"

پھر اُنھوں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ ہم نے ان کی بات سمجھ لی ہے۔

تب وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ اُنھوں نے اپنا صافہ اتار کر میز پر رکھ دیا۔ وہ تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ اُنھوں نے اپنی ٹانگیں اٹھا کر میز پر رکھیں۔ وہ تھوڑا سا آرام کر رہے تھے۔ چند منٹ میں وہ گہری نیند سو گئے۔

سوال آسان تھے اور ہم سب نے سوال چند ہی منٹ میں ختم کر لیے۔

سوال ختم کرنے کے بعد میں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیکھا۔ وہ اتنے عجیب معلوم ہو رہے تھے کہ میں نے سوچا کہ ان کی تصویر بناؤں۔ میں نے کوشش کی تو اچھی تصویر بن گئی۔ ان کا گول چہرہ، گنجا سر، بڑی سی توند، ان کی قریب قریب ننگی ٹانگیں اور ان کے سونے کا انداز جسے دیکھ کر ہنسی آجائے۔

یہ سب باتیں تصویر میں موجود تھیں یعنی اتنی ہو بہو تصویر کہ ہر ایک کہہ سکتا تھا کہ یہ ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب ہیں۔ میں بہت بے چین تھا اور کلاس ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ دوستوں کو دکھا سکوں۔

گھنٹی بجی، ہیڈ ماسٹر صاحب جاگے۔ اُٹھ کر ہمارے سوال چیک کیے اور چلے گئے۔

میں نے تصویر ہاتھ میں لے کر دوستوں کو دکھائی۔ ان کے قہقہے گونجنے لگے۔ کلاس میں بہت ہنگامہ تھا۔





اگلے پیریڈ کے ماسٹر صاحب کلاس میں آئے۔ اُنھوں نے کلاس میں نظم و ضبط قائم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے تب اُنھوں نے آکر میرے ہاتھ کی تصویر چھین لی وہ اسے دیکھ کر مسکرا اُٹھے لیکن پھر سنجیدہ ہو کر باہر چلے گئے۔ چند منٹ بعد وہ اندر آئے اور مجھ سے ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس جانے کے لیے کہا۔

میں ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے میں گیا تو وہاں میز پر اپنی بنائی ہوئی تصویر رکھی دیکھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب غصے میں تھے۔ اُنھوں نے مجھ سے پوچھا "یہ تصویر تم نے بنائی ہے؟"

میں نے کہا "جی ہاں"

"یہ تمھارا کام ہے" وہ گرجے اور میری ہتھیلی پکڑ کر دو بید جمائے۔ "یہ تمھارا کام ہے نا۔ اب تم دو ہفتوں تک کلاس میں نہیں آؤ گے۔ جاؤ نکل جاؤ"

میں باہر آگیا مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں فوراً گھر جا کر نانا کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں کلاس کے باہر ہی انتظار کرتا رہا اور پھر دوپہر کا انٹرول ہو گیا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کی تصویر بنانے پر مجھے سزا ملنے کی خبر پورے اسکول میں پھیل گئی۔ دوپہر میں بہت سے لڑکے میرے پاس دوڑ کر آئے۔ کچھ نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ کچھ چاہتے تھے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے خلاف کوئی کاروائی ہونی چاہیے۔ کچھ نے تجویز پیش کی کہ ان کی کرسی کے نیچے پٹاخہ رکھ دیا جائے۔ ایک دوسرے لڑکے نے کہا کہ سیاہی کی بوتل دروازے پر رکھ دی جائے۔ کچھ نے ہڑتال کرنے کی بھی بات کی لیکن مجھے دوپہر کے کھانے کے لیے گھر جانا تھا۔

نانی میرے لیے کھانا نکال رہی تھیں کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نانا سے ملنے آگئے۔ اُن کی باتیں سننے کے لیے میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے نانا کو بتایا کہ کلاس میں میرا کام ٹھیک نہیں تھا۔ میں نے پورا پیریڈ ان کی تصویر بنانے میں برباد کر دیا تھا۔ پھر اُنھوں نے میری بنائی ہوئی تصویر اُنھیں دی۔ نانا اسے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

اُنھوں نے پوچھا " کیا یہ راجہ نے بنائی ہے؟"

"جی ہاں" ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔ نانا ایک بار پھر ہنسے اور اُنھوں نے نانی اور ماموں کو آواز دی۔

" کیا آپ کا خیال ہے کہ راجہ نے یہ تصویر بنا کر کوئی غلطی کی ہے؟" نانا نے پوچھا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا" بے شک کیوں کہ یہ تصویر اس وقت بنائی جب میں پڑھا رہا تھا"۔

"لیکن مجھے تو یہ تصویر بہت پسند آئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ لڑکا اتنا ہوشیار ہے" نانا نے کہا

ہیڈ ماسٹر صاحب نے چند منٹ انتظار کیا پھر اُنھوں نے ہنستے ہوئے کہا" بے شک وہ ذہین ہے۔ اسی لیے تو میں یہ تصویر آپ کے پاس لایا تھا"

میں سمجھ نہیں سکا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اپنا لہجہ کیوں بدلا۔



قسمت کا کھیل

وہاں ہر سال ایک بڑے مندر میں برسات کا جشن ہوتا تھا۔ جشن کی خاص بات، جنگ کا سوانگ، تھی۔ جنگ دو گروپوں کے درمیان ہوتی تھی۔ مندر کے مغرب میں رہنے والا گروپ اور مندر کے مشرق میں رہنے والا گروپ۔ ڈھال اور تلوار لیے سینکڑوں لوگ بڑے میدان کے دونوں طرف اکٹھا ہوتے تھے۔ ایک خاص اشارہ ملتے ہی دونوں گروپ ایک دوسرے کی طرف بڑھتے اور لڑائی شروع ہو جاتی۔ اس بناوٹی لڑائی میں نہ کوئی کبھی مارا گیا اور نہ کبھی زخمی ہوا۔ سینکڑوں سال پہلے اس جگہ پر دو بادشاہوں کے درمیان ہونے والی جنگ کی یاد میں یہ بناوٹی جنگ ہوتی تھی۔

جشن کے دوران ایک میلہ بھی لگتا تھا جو بہت دنوں تک چلتا۔ تاجر طرح طرح کا سامان بیچنے کے لیے ملک کے کئی حصوں سے آتے۔

سینکڑوں دوکانیں لگائی جاتیں اور کئی بازار بھی۔ لوگ سال بھر کی خریداری کرنے کے لیے اس میلے کا انتظار کرتے۔ یہاں وہ ایک سوئی سے لے کر بڑا ہاتھی بھی خرید سکتے تھے۔

میں ایک چھتری خریدنے کے لیے میلے جانا چاہتا تھا۔ نانا نے مجھے دو روپے دیے تھے۔ میں نے ماموں سے کہا کہ وہ مجھے میلے میں لے چلیں۔

"صرف دو روپے لے کر میلے جاؤ گے ؟ دو روپے کا بھلا کیا ملے گا وہاں تو تم بہت سی چیزیں خریدنا چاہو گے" ماموں نے پوچھا نانی نے ان کی بات سن لی تو اُنھوں نے مجھے دو روپے اور دیئے تا کہ میں اپنی پسند کی چیزیں خرید سکوں۔

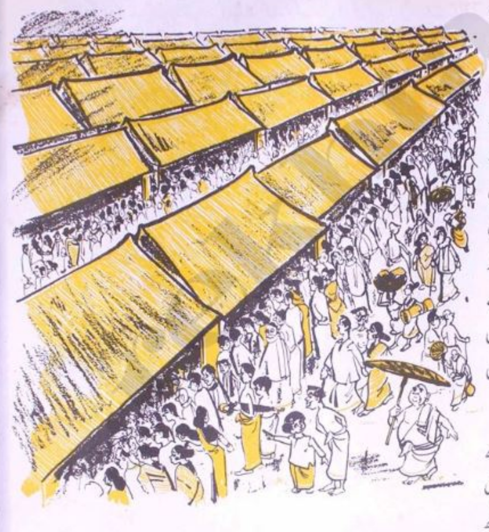
ماموں مجھے میلے لے گئے ہمارا نوکر نانو بھی ہمارے ساتھ آیا میلے میں بہت بھیڑ تھی لیکن ماموں ہمیں اس میں سے لیے جارہے تھے۔ وہاں ان کے چند دوست مل گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ماموں ان کے ساتھ کچھ وقت گزاریں۔

ماموں نے پوچھا "کیا تم میری واپسی تک نانو کے ساتھ گھومنا پسند کرو گے ؟"۔

یہ تو میرے دِل کی بات تھی۔ ماموں نے مجھے ہدایت کی کہ میں ان کی واپسی تک کچھ نہ خریدوں۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ میں ان کا انتظار کروں گا۔

میں نانو کے ساتھ ایک دوکان دیکھنے لگا۔ اس میں میری پسند کی بہت سی چیزیں تھیں لیکن میں ماموں کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔

پھر ہم اس دوکان پر آئے جسے لوگ قسمت کی دوکان کہتے تھے۔ دوکاندار بھلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہر ایک سے کہہ رہا تھا کہ 'آیئے اور اپنی قسمت آزمایئے، اس نے ہمیں یہ بھی سمجھایا کہ کوئی کس طرح خوش قسمت بن سکتا ہے۔ اس نے کہا "یہ بہت آسان ہے۔ چھتیس انعامات ہیں ایک سے چھتیس نمبر تک۔ اسی طرح چھتیس گوٹیں الٹی رکھی ہیں تا کہ نمبر دکھائی نہ دیں۔ اب آپ کو یہ کرنا ہے کہ آٹھ آنے دیں اور چھ گوٹیں اٹھالیں۔ ان پر لکھے نمبروں کو جوڑ لیجیے۔ اور جوڑ ہمیں بتادیجیے۔ جس چیز پر وہ نمبر لکھا ہوگا۔ وہ آپ کو مل جائے گی کسی کو مایوسی نہ ہوگی۔ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا۔ اگر آپ خوش قسمت ہیں تو آپ کو کوئی مہنگی چیز ملے گی۔ یہ قسمت کا کھیل ہے آیئے اور قسمت آزمایئے۔"



ایک بڑے میاں نے آٹھ آنے دے کر چھ گوٹیں چن لیں۔ اُنھوں نے سب گوٹوں کے نمبر جوڑے تو نو نکلا۔ اُنھیں نو نمبر کا انعام دیا گیا۔ یہ ایک خوبصورت گھڑی تھی لیکن بڑے میاں کو گھڑی کی ضرورت نہیں تھی۔ دوکاندار نے ان کی مدد کرنے کے لیے گھڑی چار روپے میں خرید لی۔ بڑے میاں خوشی خوشی چلے گئے۔

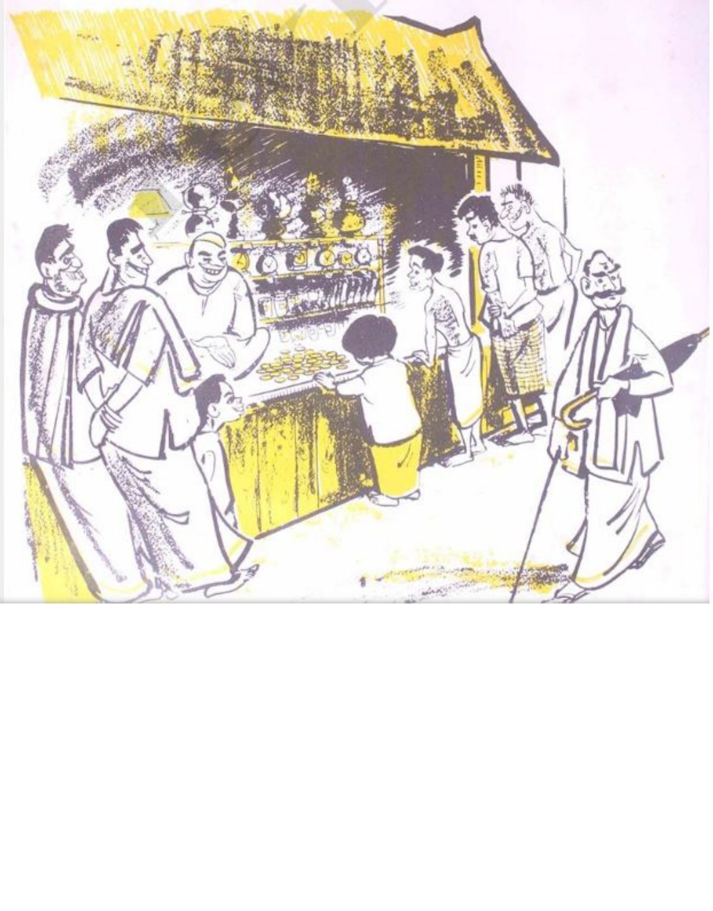
پھر ایک لڑکے نے جو مجھ سے عمر میں کچھ بڑا تھا اپنی قسمت آزمائی۔ اُس نے آٹھ آنے دے کر چھ گوٹیں لیں۔ نمبر جوڑے کل جوڑ پندرہ آیا۔ یہ نمبر ایک کنگھے پر لکھا تھا جو صرف چار آنے کا تھا۔

دوکاندار نے اس پر بھی مہربانی کرتے ہوئے کنگھا چار آنے میں خرید لیا۔ لڑکے نے پھر قسمت آزمائی تو اسے ایک کلائی گھڑی ملی۔ جس کی قیمت دس روپے تھی۔ جب چوتھی بار قسمت آزمائی تو ایک ٹیبل لیمپ ملا جس کی قیمت چالیس روپے سے زیادہ تھی۔ لڑکا بہت خوش تھا اور مسکراتا ہوا چلا گیا۔

میں بھی اپنی قسمت آزمانا چاہتا تھا میں نے نانو کی طرف دیکھا تو اس نے میری حوصلہ افزائی کی۔

میں نے آٹھ آنے دے کر چھ گوٹیں اٹھالیں لیکن میری قسمت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ مجھے دو پنسلیں ملیں۔ دکاندار نے انھیں چار آنے میں خرید لیا۔ میں نے دوبارہ کوشش کی۔ اس بار مجھے سیاہی کی بوتل ملی۔ جو کم قیمت کی تھی۔ دوکاندار نے چار آنے میں خرید لی۔ مجھے تیسرا موقع ملا۔ اب بھی قسمت نے میرا ساتھ نہیں دیا۔

مجھے بڑا انعام جیتنے کی امید تھی اس لیے ہر بار آٹھ آنے دے کر بار بار قسمت آزماتا رہا۔ لیکن وہی ڈھاک کے تین پات ہر بار کوئی بہت چھوٹی سی چیز آخر میں میرے پاس صرف چار آنے بچے۔ ایک بار پھر دوکاندر نے مہربانی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے کہا کہ میں صرف چار آنے دے کر ہی ایک داؤں اور لگا سکتا ہوں انعام ملنے پر حساب صاف کر سکتا ہوں۔ میں نے آخری داؤں لگایا اور اس طرح آخری چونی بھی غائب ہو گئی۔



لوگ مجھے دیکھ رہے تھے۔ کچھ میری بدقسمتی پر ہنس رہے تھے لیکن کسی نے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ نانو اور میں اس جگہ گئے جہاں ماموں ہمیں چھوڑ کر گئے تھے۔ ہم وہیں ان کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

ماموں تھوڑی دیر میں آگئے۔ اُنھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا ''راجہ، تم پریشان معلوم ہوتے ہو، کیا بات ہے؟'' میں نے تو کچھ کہا نہیں البتہ نانو نے اُنھیں ساری بات بتائی۔

پہلے تو ماموں غصہ ہوئے لیکن پھر مسکرا کر مجھے تھپتھپایا وہ مجھے ایک دوکان پر لے گئے اور میرے لیے خوبصورت چھتری، بسکٹ، مٹھائی اور کچھ دوسرے تحفے خریدے۔ پھر ہم گھر واپس آگئے۔

گھر پہنچ کر ماموں نے بتایا کہ، قسمت کے کھیل کے دوکاندار نے مجھے، بے وقوف بنایا تھا۔

میں نے کہا ''نہیں ماموں، میری قسمت ہی خراب تھی''

نہیں ''لال، اس میں اچھی یا بُری قسمت کا سوال نہیں''

''میں نے کہا ''لیکن ماموں میں نے ایک بڑے میاں کو ایک گھڑی اور ایک لڑکے کو دو یا تین قیمتی چیزیں لے جاتے دیکھا تھا''

''تم نہیں جانتے، میرے بیٹے وہ سب دوکاندار کے دوست تھے۔ وہ یہ چالیں تمھیں پھسلانے کے لیے چل رہے تھے تاکہ تم بھی قسمت آزماؤ۔ اُنھیں تو تمھارے پیسے کی ضرورت تھی اور وہ انھیں مل گیا۔ اچھا، یہ سب بھول جاؤ اور کسی سے اپنی بدقسمتی یا اپنی حماقت کی بات نہ کرنا''



رانی کی مصیبت

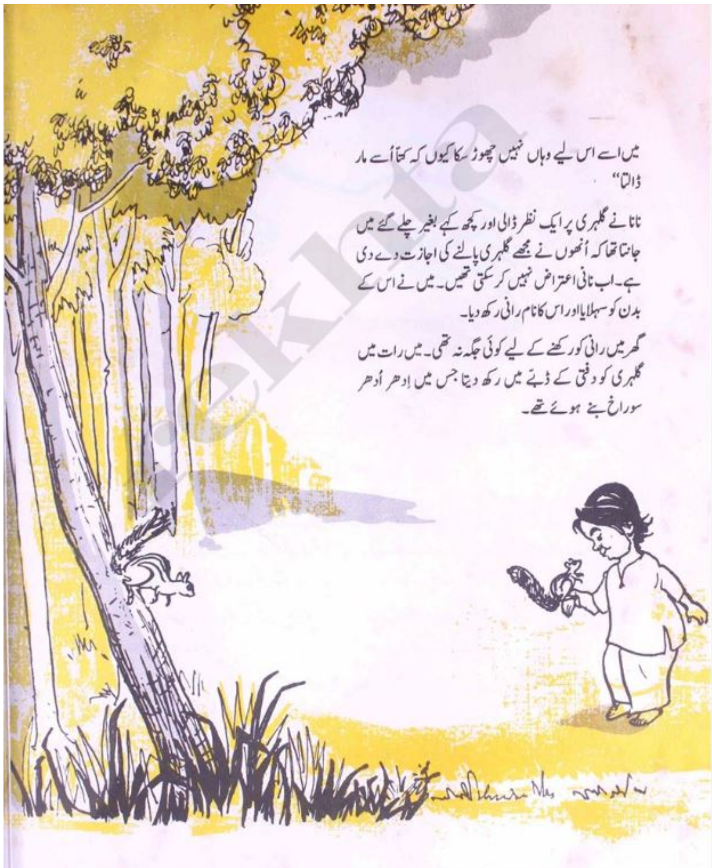
ایک دن میں اپنی خالہ کے گھر گیا ہوا تھا۔ میں نے باہر باغ میں ایک کتّے کو گلہری کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کتا گلہری کو دبوچ لے، میں نے دوڑ کر گلہری کو پکڑ لیا۔ یہ ایک چھوٹی سے بے بی گلہری تھی۔ جو ڈر سے کانپ رہی تھی۔ مجھے یہ بہت اچھی لگی اور میں اسے گھر لے آیا۔

نانی گھر میں گلہری کا پالنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔ نانی نے کہا "یہ بہت چھوٹی ہے اور بیمار ہے۔ بہت جلد مر جائے گی"

میں نے کہا "یہ بے چاری چھوٹی ہے اور بیمار بھی۔ اِسی لیے اِسے دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ میں تو اِسے پالوں گا اور اس کی دیکھ بھال بھی کروں گا۔"

"تم گلہری کیوں پالنا چاہتے ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کے ماں باپ رو رہے ہیں۔ کیوں کہ تم ان کا بچہ چھین لائے ہو" پیچھے سے نانا کی آواز سنائی دی۔

"لیکن نانا جان میں نے خالہ کے گھر میں گلہری کو کتّے سے بچایا ہے۔



میں اسے اس لیے وہاں نہیں چھوڑ سکا کیوں کہ کتا اُسے مار ڈالتا"

نانا نے گلہری پر ایک نظر ڈالی اور کچھ کہے بغیر چلے گئے میں جانتا تھا کہ اُنھوں نے مجھے گلہری پالنے کی اجازت دے دی ہے۔ اب نانی اعتراض نہیں کر سکتی تھیں۔ میں نے اس کے بدن کو سہلایا اور اس کا نام رانی رکھ دیا۔

گھر میں رانی کو رکھنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ میں رات میں گلہری کو دفتی کے ڈبّے میں رکھ دیتا جس میں اِدھر اُدھر سوراخ بنے ہوئے تھے۔

اگلے دن ماموں نے ایک چڑیوں والا پنجرا لا دیا۔ میں رانی کو پنجرے میں رکھ کر پنجرا چھت سے لٹکا دیتا۔ میں نے گلہری کے لیے پنجرے میں عمدہ گھر بنا دیا۔ اس کے سونے کے لیے ایک چھوٹا سا بستر بنایا۔ ایک چھوٹی سی پلیٹ کھانے کے لیے اور پیالی پانی پینے کے لیے رکھ دی۔

شروع شروع میں تو مجھے گلہری کو کھانا کھلانا پڑتا لیکن جلد ہی وہ اپنے آپ کھانا کھانے لگی۔ میں اسے دودھ، پھل اور میوے کھلاتا تھا۔

گلہری بڑی ہوتی گئی۔ اب وہ دوڑ سکتی اور میرے ساتھ کھیل سکتی تھی۔ جب میں اسے نام لے کر بلاتا وہ دوڑ کر میرے پاس آجاتی۔ جہاں کہیں میں جاتا وہ میرے پیچھے پیچھے آجاتی۔ ایک دن میں رانی کو باغ میں لے گیا۔ وہاں جا کر وہ بہت خوش ہوئی۔ پودوں اور جھاڑیوں میں بھاگتی دوڑتی رہی پھر وہ ایک پیڑ پر چڑھ کر پتیوں میں گم ہو گئی۔ لیکن جب میں نے اسے آواز دی تو وہ نیچے آگئی۔

جب رانی بڑی ہو گئی تو میں نے اسے اس کی مرضی سے گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی۔ میں پنجرے کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتا کہ جب جی چاہے چلی جائے اور جب جی چاہے آجائے۔

اور پھر اس نے اکیلے ہی گھومنا شروع کر دیا۔ صبح وہ میرے ساتھ کھیلنے کے لیے کچھ دیر کے لیے نیچے آجاتی اور اس کے بعد وہ باغ میں چلی جاتی۔ وہ پیڑوں پر چڑھتی، پھل کترتی اور دن بھر پیڑوں پر کھیلتی رہتی۔

رانی اب سیانی ہو چکی تھی وہ کسی بھی گلہری کی طرح آزاد تھی لیکن پھر بھی ہمارے گھر میں اس کا گھروندا تھا۔ میں رانی کی نیند خراب کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

ہفتوں تک مجھے رانی نظر نہیں آئی۔ پھر میں نے ایک دن اسے باغ میں دیکھا۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور گلہری تھی میں نے رانی کو آواز دی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے مجھے دیکھا۔ پھر وہ میرے پاس آئی۔ اس کا دوست بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا۔ اور وہاں سے ہمیں دیکھنے لگا۔

اُس رات میں نے معلوم کرنا چاہا کہ رانی کہاں ہے میں نے اُسے آواز دی۔ وہ نہیں آئی۔ میں نے پنجرے میں جھانکا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ رانی جا چکی تھی۔

مجھے افسوس ہوا کہ رانی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ کہیں بھی جانے کے لیے آزاد تھی۔



شاید اُسے دوست مل گیا تھا اور وہ دونوں ساتھ ساتھ رہنا چاہتے تھے۔

مہینوں گزر گئے۔ مجھے رانی بہت کم نظر آئی۔ میں قریب قریب اسے بھول گیا۔

ایک دن میں نے کسی گلہری کو بار بار چیختے سنا پھر میں نے گلہری کو اپنی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ یہ رانی تھی۔ وہ دوڑ کر میرے پاس آئی اور پھر مکان کے پچھواڑے بھاگ گئی۔ وہ دوبارہ میرے پاس بھاگتی ہوئی آئی۔ میں سمجھ گیا کہ رانی کسی مصیبت میں ہے۔ وہ مجھ سے مدد مانگ رہی تھی اس لیے میں بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ کر مکان کے پچھواڑے پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک سانپ نے گلہری کو دبوچ رکھا تھا۔ میں مدد کے لیے چلایا۔ ماموں دوڑ کر آئے۔ انھوں نے ایک لمبا بانس لیا اور اس کے ایک سرے سے سانپ کو دبایا۔ سانپ نے گلہری کو چھوڑ دیا اور بانس ہٹا لینے پر رینگتا ہوا چلا گیا۔

گلہری زمین پر بالکل ساکت لیٹی رہی۔ میں نے اسے آہستہ سے اُٹھا لیا۔ وہ مر چکی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ رانی کا دوست تھا مجھے افسوس تھا کہ میں اس کی جان نہ بچا سکا۔ میں نے گلہری زمین پر ڈال دی اور واپس لوٹ آیا۔ رانی ہمیں پیڑ سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے دوست کے پاس نیچے آئی اور چند منٹ تک اس کے تمام جسم کو سونگھتی رہی۔ پھر اُسے معلوم ہو گیا کہ اس کا دوست مر چکا ہے۔ اب وہ درخت پر چلی گئی۔

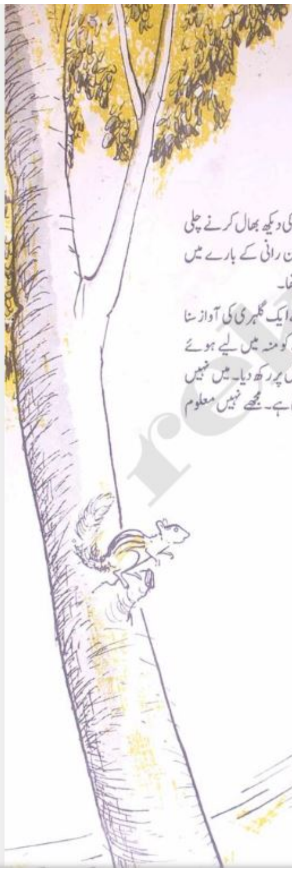
اچانک ایک چیل جھپٹ کر نیچے آئی اور مُردہ گلہری کو لے کر اڑ گئی۔ رانی چلائی۔ ہم وہاں بے بس کھڑے تھے۔



میں نے نانا، نانی اور ماموں کو بلایا۔ وہ فوراً آگئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ رانی میرے پاس اپنے بچے کو لے کر آئی تھی۔
پھر ماموں نے کہا "رانی سانپ اور چیل سے ڈری ہوئی ہے وہ چاہتی ہے کہ بچہ بڑا ہونے تک تم اس کی حفاظت کرو۔"

میں نے پرانا پنجرا نکالا اور پہلے کی طرح چھت سے لٹکا دیا۔ میں نے بی گلہری کو پنجرے میں رکھ دیا جیسے ہی رانی نے اپنے بچے کو پنجرے میں دیکھا وہ خود بھی لپک کر پنجرے میں آگئی اور فوراً ہی بچے کو دودھ پلانے لگی۔

ہم کھڑے ہوئے رانی کو دیکھتے رہے۔ نانا جان کے دل پر بہت اثر ہوا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر دُعا کرنے لگے۔ ان کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ اُنھوں نے کہا "یہ سب ایشور کی لیلا ہے۔ یہ سب ایشور کا پیار ہے۔"

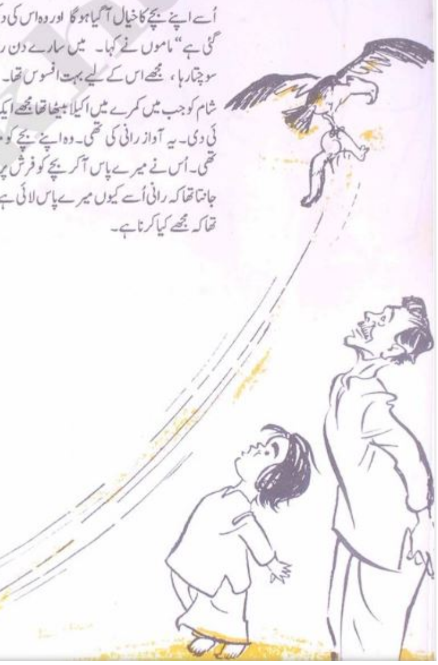


رانی تیزی سے درخت پر چڑھ گئی اور تمام راستے چلاتی رہی جیسے وہ پہلے سے بھی ڈری ہوئی ہو۔ ہم نے اُسے اوپر جاکر درخت کی چوٹی پر بنے ہوئے گھونسلے میں غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔

"وہ رانی کا گھر ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس میں اس کا بچہ بھی ہے۔

اُسے اپنے بچے کا خیال آگیا ہوگا اور وہ اس کی دیکھ بھال کرنے چلی گئی ہے" ماموں نے کہا۔ میں سارے دن رانی کے بارے میں سوچتا رہا، مجھے اس کے لیے بہت افسوس تھا۔

شام کو جب میں کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا مجھے ایک گلہری کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز رانی کی تھی۔ وہ اپنے بچے کو منہ میں لیے ہوئے تھی۔ اُس نے میرے پاس آکر بچے کو فرش پر رکھ دیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ رانی اُسے کیوں میرے پاس لائی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔





میں نے نانا، نانی اور ماموں کو بلایا۔ وہ فوراً آ گئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ رانی میرے پاس اپنے بچے کو لے کر آئی تھی۔ پھر ماموں نے کہا "رانی سانپ اور چیل سے ڈری ہوئی ہے وہ چاہتی ہے کہ بچہ بڑا ہونے تک تم اس کی حفاظت کرو۔"

میں نے پرانا پنجرا نکالا اور پہلے کی طرح چھت سے لٹکا دیا۔ میں نے بی گلہری کو پنجرے میں رکھ دیا جیسے ہی رانی نے اپنے بچے کو پنجرے میں دیکھا وہ خود بھی لپک کر پنجرے میں آ گئی اور فوراً ہی بچے کو دودھ پلانے لگی۔

ہم کھڑے ہوئے رانی کو دیکھتے رہے۔ نانا جان کے دل پر بہت اثر ہوا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر دعا کرنے لگے۔ ان کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ انھوں نے کہا "یہ سب ایشور کی لیلا ہے۔ یہ سب ایشور کا پیار ہے۔"

پہلا انگریزی ایڈیشن : 1965
پہلا اُردو ایڈیشن : مارچ 1999
تعداد اشاعت : 3000

قیمت : 23.00 روپے